اکائی 12 علامہ شبلی نعمانی کا نثری اسلوب نگارش

ساخت

12.1 اغراض ومقاصد

12.2 تمہید

12.3 علامہ شبلی نعمانی کا نثری اسلوب نگارش

12.3.1 شبلی کے نثری اسلوب میں شعریت کے عناصر

12.3.2 ماحصل

12.4 آپ نے کیا سیکھا

12.5 اپنا امتحان خود لیجیے

12.6 سوالوں کے جوابات

12.7 فرہنگ

12.8 کتب برائے مطالعہ

12.1 اغراض ومقاصد

اس باب کے مطالعہ کے بعد طلبا سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ...........

- شبلی نعمانی کے نثری اسلوب کی خصوصیات سے آگاہ ہوسکیں گے۔
- معاصر ادیبوں میں شبلی کے نثری اسلوب کے امتیازات کو پہچان سکیں گے۔
- شبلی کے اسلوب نثر میں شعریت اور تخیل کی کارفرمائی کی اہمیت کو جان سکیں گے۔
- موضوع کے اعتبار سے شبلی نعمانی کے اسلوب نثر میں تنوع سے واقف ہوں گے۔

12.2 تمہید

آپ کا یہ پرچہ شبلی نعمانی کے خصوصی مطالعے پر مبنی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ شبلی نعمانی بیک وقت شاعر، ادیب، نقاد، محقق، مورخ، سیرت نگار اور سوانح نگار کے طور پر نہ صرف مشہور ہیں بلکہ ان کی یہ حیثیتیں مسلم بھی ہیں۔ اس کی مختلف اکائیوں میں آپ نے شبلی نعمانی کی سوانح، شخصیت، علمی وادبی کارناموں کا مختلف جہتوں سے مطالعہ کرلیا ہوگا یا آئندہ اکائیوں میں کریں گے۔ نظم ونثر میں شبلی کی طرز ادا اور اسلوب بیان میں خاص قسم کی صفت پائی جاتی ہے جو نہ صرف دلکش ودلنشین اور جاذب ہے بلکہ بعض نمایاں خصوصیات کی بنا پر انھیں صاحب طرز یا صاحب اسلوب ادیب کی حیثیت سے متشکل بھی کرتی ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض فلمی ستارے نہ صرف اپنی مخصوص

آواز بلکہ مکالموں کی ادائیگی اور بدن زبان یعنی باڈی لینگویج کے حوالے سے بھی خاص پہچان رکھتے ہیں۔ جب کوئی دوسرا ان کی نقل اتارتا ہے تو ہم فوراً پہچان لیتے ہیں کہ فلاں اداکار کی نقل اتاری جا رہی ہے۔ اسی طرح بہت سے صاحب طرز ادیب ہیں جن کی تحریر کو دیکھ کر ہمیں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ فلاں ادیب کی تحریر ہے۔ مثلاً میر، سودا، انشا، ذوق، غالب، داغ، محمد حسین آزاد، مولانا الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے ادیب ہیں جو اپنی طرز ادا کی بنا پر پہچان لیے جاتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ہماری نثری روایت بنیادی طور پر دو اسالیب سے پہچانی جاتی ہے۔ ایک اسلوب حالی کی نثر کا ہے اور دوسرا اسلوب علامہ شبلی نعمانی کی نثر کا۔ سر دست جو اکائی آپ کے پیش نظر ہے اس کا مقصد شبلی کے اسلوب نثر کی خصوصیات اور اس کے امتیازات کا بالتفصیل مطالعہ ہے۔ ہم یہ امید کرتے ہیں کہ اس اکائی کا مطالعہ شبلی کے انداز بیان اور اس کے نمایاں اوصاف کو سمجھنے میں آپ کی مدد کرے گا۔

12.3 علامہ شبلی نعمانی کا نثری اسلوب نگارش

علامہ شبلی نعمانی کا شمار ان سرخیل ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے بیک وقت علمی اور ادبی دونوں ہی موضوعات پر لکھا ہے۔ شبلی مذہبی تعلیم گاہوں اور مذہبی علماؤں کے تربیت یافتہ تھے۔ اس تربیت کا اثر ان کی تحریر میں متانت اور سنجیدگی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ان کے لسانی حربے اور ان کا ذہنی و فکری پس منظر مذہبی دانشوری کا پیدا کردہ ہے۔ شبلی کے اسلوب پر گفتگو کرنے سے پہلے ہمیں یہ بنیادی نکتہ دھیان میں رکھنا چاہیے کہ مذہبی یا علمی تحریروں کی بنیاد عقلی، استدلالی اور سائنسی ہوتی ہے جبکہ شعر و ادب سے متعلق تحریروں میں وجدان اور تخیل کی کارفرمائی اساسی نوعیت کی ہوتی ہے۔ شبلی اگرچہ ایک مایہ ناز ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی مفکر اور رہنما بھی تھے لیکن آج ان کی شہرت اور قدر و منزلت کا دار و مدار ان کی ادبی کارگزاریوں پر ہے۔ گویا اردو نثر کی تاریخ شبلی کے کارناموں کا ذکر کیے بغیر ادھوری اور ناقص رہے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شبلی نے خالص انشا پردازی سے لیس ماقبل کے نثری اسلوب سے اجتناب کیا اور اپنی علمی نثر میں غیر جذباتی، منطقی اور استدلالی طرز بیان کو اپنایا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ادبی اور تنقیدی نثر بھی صحت، قطعیت اور استدلال پر قادر ہے۔ شبلی کا اسلوب استدلال، منطقیت اور علمیت کے ساتھ ساتھ احساس جمال کا دلکش آمیزہ ہے۔ جب ہم کسی نثری تحریر میں احساس جمال کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نثر شاعرانہ اوصاف کی حامل ہے۔ شاعرانہ اوصاف یا جمالیاتی اوصاف کے عناصر مختلف النوع ہیں۔ آگے ہم ان اوصاف پر بالتفصیل نظر ڈالیں گے۔ سر دست یہ جاننا ضروری ہے کہ شبلی کی نثر میں شاعرانہ اوصاف کی شمولیت کے اسباب کیا ہیں؟ اصل میں شبلی لفظوں کے انتخاب میں بڑی کاوش سے کام لیتے ہیں۔ یہ کاوش مخصوص تناسب کی صورت میں نظر آتی ہے۔ یہ مخصوص تناسب الفاظ کی معنوی اور صوتی مناسبت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اکائی کے اختتام پر آپ کو محسوس ہوگا کہ شبلی کے نثری اسلوب کے اساسی امتیازات الفاظ کی معنوی اور صوتی مناسبت کے زائیدہ ہیں۔ آپ یہ بات جانتے ہیں کہ شاعری ہو یا نثر، کفایت لفظی تحریر میں

جامعیت کی ضامن ہوتی ہے۔لفظی کفایت شعاری شبلی کے اسلوب نثر کا نمایاں وصف ہے۔اس وصف کی وجہ سے ان کی تحریر میں ایجاز واختصار کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔ان کا ہر جملہ بالترتیب ایک نئی حقیقت کا انکشاف کرتا، ایک نئی معلومات فراہم کرتا ہے۔یہی وجہ ہے ان کی نثر میں وضاحت،صراحت،قطعیت اور جامعیت کی خوبیاں درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔

شبلی کے مرغوب الفاظ

ہر مصنف کی طرح شبلی کے لسانی اظہار میں بھی بعض الفاظ سے بار بار سامنا ہوتا ہے۔ان لفظوں کو ہم شبلی کے محبوب الفاظ یا تکیہ کلام کا نام دے سکتے ہیں۔وہ اپنی تحریروں میں زندگی، جوش اور ولولہ پیدا کرنے کے لیے اکثر ایسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں جن سے فخریہ جذبات کی نمو ہوتی ہے مثال کے طور پر: فخر، ناز، مفاخر وغیرہ۔یہ وہ الفاظ ہیں جو موقع ومحل کی مناسبت سے بسا اوقات اپنے جلو میں طنز وتعریض اور تضحیک کا پہلو بھی لیے ہوتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ شبلی کی تحریریں مقصدیت وافادیت کی آئینہ دار ہیں۔وہ تصنیف وتالیف کے میدان میں اس مقصد سے اترے تھے کہ قوم کو ان کے ہیرو یا مثالی انسانوں اور ان کے عظیم الشان کارناموں سے متعارف کرائیں تاکہ قوم احساس کمتری کے قعر مذلت سے نکل سکے۔لہٰذا ایسا انداز بیان اپنانا ناگزیر تھا جو منطقی، سائنسی اور استدلالی طرز بیان کے ساتھ ساتھ فخریہ جذبات کو بھی ابھارے۔ جہاں وہ یورپ کے تعلق سے فخر وناز کے الفاظ استعمال کرتے ہیں وہاں معنوی اعتبار سے تضحیک وتنقیص کا پہلو غالب رہتا ہے۔اگر ہم غور کریں تو پائیں گے کہ شبلی اپنے مخاطب کو ایسے موقعوں پر بھی فخریہ جذبات سے ہم کنار کرتے ہیں۔اسی طرح اپنے مخاطبین کو کیف وسرور سے سرشار کرنے کے لیے وہ شباب ومستی اور بزم کے تلازمات بھی کثرت سے استعمال کرتے ہیں جس سے ان کی نثر میں دلکشی اور رعنائی بھی پیدا ہوتی ہے۔مثال کے طور پر: شباب، مستی، نشہ، شراب، انجمن، بہار رنگ، داستان، راز، طلسم، نکتہ شناس، روح، جوہر اور جان وغیرہ۔اسی طرح شبلی جب اپنی تحریروں کے مخاطب کو ''تم'' کہہ کر مخاطب کرتے ہیں تو سطحی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود کو ایک خاص بلندی پر اور دوسروں سے الگ سمجھتے ہیں۔لیکن غور کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ اس طرز تخاطب نے ان کے اور قاری کے درمیان حائل تکلفات کو دور کرکے اپنائیت اور نزدیکی پیدا کی ہے۔

شبلی کے اسلوب کا محرک

شبلی قوم کو اسلاف اور اسلاف کے کارناموں سے متعارف کرانا چاہتے تھے۔یہی ان کا مقصد تھا اور اپنے اس مقصد کو وہ عظیم تر بھی سمجھتے تھے۔ظاہر ہے اسلاف اور اسلاف کے کارناموں کو مثالیت کا عمدہ نمونہ بنا کر پیش کرنے کے لیے ضروری تھا خود صاحب تحریر بھی یقین ووثوق کے ساتھ اعتماد کامل کا حامل نظر آئے۔لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ شبلی کے اسلوب پر عظمت کے احساس کا بھی خاطر خواہ اثر ہوا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں

میں قدرت، جوش، ولولہ اور فخر و برتری کا چشمہ رواں ہے۔ آیئے اس بنیادی گفتگو کے بعد شبلی کے نثری اسلوب کی مجموعی صفات کا جائزہ قدرے تفصیل سے لیتے ہیں۔

12.3.1 شبلی کے نثری اسلوب میں شعریت کے عناصر

شبلی کی نثر اپنے اندر بڑی تاثیر رکھتی ہے۔ اس تاثیر کی اہم وجہ شاعرانہ وسائل کا استعمال ہے۔ شبلی کے استعارے، جذبات کو برانگیخت کرنے والی لفظی تراکیب، ایسے جملے اور فقرے جن سے چلتی پھرتی تصویریں بن جائیں عالم شعر کا خاصا ہیں۔ شبلی نے انھیں شعری وسائل اور ذرائع کے توسط سے اپنی مقصدیت کو موثر بنانے کا کام لیا ہے۔

شاعری اور تخلیقی نثر سے قطع نظر تخیل کی پرواز بالخصوص علمی نثر کے لیے، اس خیال سے مہلک تصور کی جاتی ہے کہ اس سے مقصد تحریر فوت ہو جاتا ہے اور تحریر سے وضاحت، صراحت اور قطعیت کے عناصر معدوم ہو جاتے ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ تخیل کی اڑان نثر میں معلومات اور حقائق کے ابلاغ میں آڑے آتی ہے۔ شبلی کے تخیل میں بھی بڑی سرعت ہے جس کی وجہ سے افراط و تفریط کی صورت پیدا ہو جاتی ہے لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے وضاحت، صراحت اور قطعیت کے عناصر مجروح ہوتے ہیں یا درست معلومات اور حقائق کے ابلاغ پر کوئی آنچ آتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تخیل کی پرواز مبالغہ کو راہ دیتی ہے اور مبالغہ تشبیہ و استعارہ اور رمز و کنایہ سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا وضاحت، صراحت اور قطعیت بھلے ہی موجود ہوں لیکن حقائق کی درست معلومات تو مجروح ہوگی ہی۔ اس سے پہلے کہ ہم کچھ وضاحت کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے شبلی کے چند بیانات ملاحظہ کر لیں جن میں مبالغے کی شدت نظر آتی ہے:

۱۔ اسلام ایک ابر کرم تھا، اور سطح خاک کے ایک ایک چپے پر برسا۔

۲۔ فوراً تمام عالم میں ان کی آواز پھیل جاتی تھی۔

۳۔ خاندان یامانیہ نے دفعتاً زمین کو آسمان بنا دیا۔

۴۔ کم از کم پچاس ساٹھ لاکھ آدمی ایک دم سے فنا ہو گئے۔

۵۔ مذہبی خیالات میں بھونچال سا آ گیا ہے۔ نئے تعلیم یافتہ بالکل مرعوب ہو گئے ہیں۔

۶۔ ترک اپنے زور قوت کی وجہ سے تمام عالم پر چھا گئے۔

۷۔ فارسی شاعری کا گھر گھر چرچا پھیل گیا۔

۸۔ اشاعرہ کے خیالات ساری دنیا پر چھا گئے۔

۹۔ رزمیہ مثنویاں ہمیشہ کے لیے معدوم ہو گئیں۔

۱۰۔ واقعات عالم پر جب وہ عبرت کی نظر ڈالتا ہے تو ایک ایک ذرہ ناصح بن کر اس کو اخلاق اور موعظت کی تعلیم دیتا ہے۔

۱۱۔ مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو خس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار نکل گئے۔

اوپر دس جملے یعنی دس بیانات نقل کیے گئے ہیں۔ ان جملوں میں تبدیل شدہ فونٹ (لاہوری نستعلیق) کے فقروں پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان کی وجہ سے سارے بیانات مبالغہ آمیز ہو گئے ہیں۔ یہ بھی محسوس ہوگا کہ درج بالا بیانات حقائق کی درست معلومات نہیں فراہم کرتے۔ لیکن ذرا تامل اور غور و فکر سے کام لیں تو یہ بات بخوبی روشن ہو جاتی ہے کہ یہ مبالغہ آمیز بیانات حقائق کی درست اور بعینہ صورت حال کا ادراک کرانے کے لیے ہیں۔ گویا کلام کو مقتضائے حال کے موافق بنانے کے لیے بیان کا یہ پیرایہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس سے درست حقائق کے ابلاغ پر کسی قسم کی آنچ نہیں آتی۔ علاوہ ازیں شبلی کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ بیان واقعات میں تسلسل اور ربط کے ساتھ ساتھ واقعے کی جزئیات کے بیان میں صحت کا خاص خیال رکھتے تھے اور جرح و تعدیل کے اصول ہمہ وقت ان کے پیش نظر رہتے تھے۔ جب صورت حال یہ ہو تو حقائق کی درست صورت حال پر کوئی پردہ نہیں رہتا۔

شبلی کے اسلوب کی یگانگت میں استعارہ اور متخیلہ کا تفاعل

شبلی شاعر ہونے کے باوجود اپنے جذبات کو راہ اعتدال پر رکھتے ہیں۔ جذبات سے مغلوب ہونے کے بجائے اس پر تعقل پسندی کی لگام کستے ہیں۔ ہم نے اکائی کی ابتدا میں شبلی کی تحریروں میں جمالیاتی قدروں کی بات کہی تھی جو ان کے اسلوب کو حالی کے اسلوب سے منفرد شناخت ادا کرتی ہیں۔ جب تجریدی خیالات کی تجسیم کی جاتی ہے تو تجرید اور تجسیم کے مابین افتراق صاف طور پر محسوس ہوتا ہے۔ یہی حال تشبیہ کا بھی ہے۔ مشبہ اور مشبہ بہ بہر حال ایک دوسرے سے الگ صاف معلوم ہوتے ہیں۔ شبلی کو یہ افتراق اور بیگانگی کچھ خاص مرغوب نہیں البتہ انھیں یگانگت سے بڑی رغبت ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں مجاز/استعارہ اور کنایہ سے بیشتر واسطہ پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر شعر العجم سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''اس عالم میں شاعر کی تاریخ زندگی عجب دل چسپیوں سے بھری ہوتی ہے، بلبل نے اسی عالم میں اس سے زمزمہ سنجی کی تعلیم پائی ہے۔ پروانے اس کے ساتھ کے کھیلے ہیں، شمع سے رات بھر وہ سوز دل کہتا رہا، نسیم سحری کو اکثر اس نے قاصد بنا کر محبوب کے یہاں بھیجا ہے، بارہا اس نے غنچہ کی عین اس وقت پردہ دری کی جب وہ معشوق کا تبسم چرا رہا تھا۔''

درج بالا اقتباس میں بلبل، زمزمہ سنجی، پروانہ، شمع، سوز دل، محبوب، غنچہ، پردہ دری، معشوق، تبسم وغیرہ الفاظ معنوی مناسبت کے غماز ہیں۔ شبلی کی یہ طرز ادا قاری کی متخیلہ کو بیدار کرتی ہے اور اس کے ذہن کے پردے پر تصورات

کی وہ دنیا منعکس ہونے لگتی ہے جو شبلی کے بیان میں موجود ہے۔ گویا استعارہ بروئے کار لانے سے جزئیات زیادہ واضح اور روشن ہو جاتی ہیں۔ مثالیں بہت دی جاسکتی ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ درج بالا مختصر اقتباس سے شبلی کے اسلوب میں جمالیاتی قدروں کی آمیزش کا احساس آپ کو بخوبی ہو گیا ہوگا۔ قاری کے ذہن میں چلتی پھرتی تصویریں، جذبات اور متخیلہ کی تحریک کے لیے شبلی محاکات سے بھی کام لیتے ہیں۔ وہ لفظوں سے تصویر گری کا کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''سیرۃ النبی'' سے ماخوذ درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں، چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں، لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیے۔ سیارگان فلک اس دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اس صبح جاں نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا و قدر کی بز آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تر دستیاں، عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجزہ طرازی موسیٰ، جاں نوازی مسیح، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع گراں ارز و شہنشاہ کونین کے دربار میں کام آئیں گے۔ آج کی صبح وہی صبح جاں نواز ہے، وہی ساعت ہمایوں، وہی دور فرخ فال ہے، ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں ''آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا۔''

اوپر درج اقتباس میں آپ استعارے کی دلنوازی تو دیکھ ہی رہے ہیں لیکن ذرا یاد کیجیے علم بدیع کی صنعت ''براعت استہلال''۔ اس صنعت کی پہچان یہ ہے کہ جب شاعر ابتدائے کلام ہی میں آنے والے مطلب کی طرف اشارہ کر دے۔ اس اقتباس کو پڑھ کر شروع ہی سے یہ اندازہ ہونے لگتا ہے کہ کسی نہایت محبوب اور مقدس منتظر کی آمد آمد ہے۔ چمنستان دہر کی ساری روح پرور بہاریں اسی کے دم سے ہیں۔ نگارش کے اس انداز نے تحریر کی تاثیر اور حقائق کے ابلاغ دونوں میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ علاوہ ازیں مرکب الفاظ کے استعمال سے تحریر میں جو سرعت اور تیزی آئی ہے وہ لفظی کفایت شعاری کا بھی موجب ہوئی ہے۔ کفایت الفاظ کی خوبی نثر میں جامعیت کی ضامن ہوتی ہے۔

ایجاز و اختصار

ایجاز و اختصار عبارت کی وہ خوبی ہے جو نظم و نثر دونوں میں یکساں اہمیت کی حامل ہے۔ یہ بات الگ ہے کہ نظم اور نثر اظہار کے دو مختلف ذریعے ہیں لہٰذا نظم میں ایجاز و اختصار کے تقاضے جدا ہیں اور نثر میں اس کی صورت دوسری۔ شبلی تشبیہات و تمثیلات کے ذریعے بات کو پھیلانے سے زیادہ اطناب کی طرف مائل تھے۔ ان کی نثر

میں اطناب کی صورت مناسب محاورہ بندی، روزمرہ اور استعاروں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ استعارے برتنے کی وجہ سے فطری طور پر ان کی نثر میں جزئیات نگاری اور بے ضرورت تفصیل نظر نہیں آتی۔ ان کے محاورے اور استعارے عبارت میں جو ولولہ پیدا کرتے ہیں وہ قاری کے ذہن پر یلغار کر کے اسے مغلوب کر لیتا ہے۔

مولانا شبلی خالص انشا پرداز نہیں تھے۔ ان کے اشہب قلم کے خاص میدان فلسفہ، تاریخ، سیرت، منطق، کلام، ادبی تنقید جیسے خشک موضوعات تھے۔ یہ وہ موضوعات ہیں جن میں فکری عنصر کی وجہ سے خشکی کا در آنا فطری بات ہے۔ اپنے قاری کو خشکی سے نجات دلانے کے لیے شبلی اپنی نثر میں شاعرانہ فضا کا خاص اہتمام کرتے ہیں۔ یہاں شاعرانہ فضا سے ہماری مراد شعری وسائل اظہار نہیں بلکہ استعارہ، کنایہ اور دلکش تراکیب کے علاوہ نثر میں لطافت اور بے تکلفی پیدا کرنے کے لیے موقع و محل کی مناسبت سے اشعار کا اہتمام ہے۔ شبلی کی بیشتر کتابوں کا آغاز شعر سے ہوتا ہے اور اختتام بھی شعر پر ہوتا۔ مثلاً الغزالی، علم الکلام، شعر العجم اور موازنۂ انیس و دبیر۔ اشعار بالخصوص فارسی کے برمحل اشعار سے وہ خاص قسم کی فضا تیار کرتے ہیں۔ اشعار کا استعمال ان کی نثر میں ایجاز کا بھی باعث ہے۔ عام طور پر وہ فخریہ اور طنزیہ موقعوں پر اشعار سے خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شبلی کی نثر میں اشعار کے استعمال سے مخصوص فضا سازی کے علاوہ ایمائیت اور اشاریت کا حسن بھی پیدا ہوتا ہے۔

ہم آواز الفاظ اور لفظوں کے جوڑے

شبلی کے نثری اسلوب کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ وہ دو دو ہم آواز الفاظ یا حروف کی تکرار سے نثر میں موسیقیت کا وصف اور ایک خاص قسم کی صوتی فضا پیدا کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر شعر العجم جلد ۴ سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''شاعر کی بھی یہی حالت ہے۔ ابتدا میں سیدھے سادے صاف صاف اور بے تکلف خیالات ہوتے ہیں۔ تشبیہات اور استعارے سے کہیں کہیں آ جاتے ہیں۔ الفاظ میں تراش خراش نہیں ہوتی۔ جس مضمون کو ادا کرنا چاہتے ہیں بغیر کسی ایچ پیچ کے بے تکلف ادا کرتے ہیں۔ اس سے قدم آگے بڑھتا ہے تو خیالات میں بلندی شروع ہوتی ہے۔ استعارے رنگین ہو جاتے ہیں۔ تشبیہوں میں نزاکت آ جاتی ہے۔ مبالغوں میں زور پیدا ہو جاتا ہے۔ الفاظ میں تراش خراش شروع ہو جاتی ہے۔ جس مضمون کو ادا کرتے ہیں استعاروں کے رنگ میں کرتے ہیں۔ اس کے بعد دقت آفرینی اور باریک بینی شروع ہو جاتی ہے۔ مبالغے آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، بال کی کھال نکالی جاتی ہے۔''

اوپر کی عبارت میں ہم آواز الفاظ، ہم آواز حروف اور ہم جنس لفظوں کے جوڑے نمایاں ہیں۔ سیدھے سادے، صاف صاف، تراش خراش، ایچ پیچ، دقت آفرینی باریک بینی اور بال کی کھال ایسے لفظوں اور تراکیب پر غور

کرنے سے بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ کچھ اور جملے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ ترک شجاع تھے شجاع تر ہو گئے۔

۲۔ ایرانی تہذیب میں ممتاز تھے، ممتاز تر ہو گئے۔

۳۔ اس زمانہ میں تاتار کی بادصرصر نے امن وامان کا شیرازہ ابتر کر دیا۔

۴۔ رؤسا وامرا کے دربار میں علما وفضلا کا مجمع ہوتا تھا۔

۵۔ شہر کا شہر مشایعت کو نکلتا تھا۔

طنز وتعریض

شبلی کے اسلوب میں طنز وتعریض بھی ایک اہم عنصر کی طرح نظر آتا ہے۔ یورپی مورخین کی بے اعتدالی اور ناانصافی کا ذکر کرتے وقت ان کے قلمی کی تلخی تیز تر ہو جاتی ہے۔ مغربی مورخین کا تعصب شبلی پر جیسے جیسے افشا ہوتا ہے ان کے طنز کی دھار بھی دودھاری تلوار کی طرح ہو جاتی ہے۔ مثلاً یورپ مورخین کو اپنی تاریخ دانی پر بڑا ناز تھا، شبلی ان کے اس ناز پر کبھی ''مردہ فخر''، تو کبھی ''بے درد واقعہ نگار'' اور کبھی ''نکتہ سنج'' کہہ کر طنز کرتے ہیں۔ شبلی نے ڈپٹی نذیر احمد اور محمد حسین آزاد پر بھی طنز کے تیر چلائے۔ شبلی کو سرسید سے بھی خاصا اختلاف تھا۔ وہ سرسید پر بھی طنز کرنے سے نہیں چوکتے۔ لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ شبلی کا اختلاف ذاتی نہیں تھا اور نہ ہی ان کے طنز میں کوئی مخالفانہ یا معاندانہ جذبہ کارفرما تھا۔ سرسید اور شبلی کے مابین مخالفت سے زیادہ تحسین کا جذبہ غالب ہے۔ مثال کے طور پر سرسید پر کیے گئے طنز کے دو جملے ملاحظہ کیجیے:

> ''سید صاحب کو یقین نہیں آتا کہ کوئی ہندوستانی شخص بھی ایسا کمال دکھا سکتا ہے۔''
>
> ''ہمارے زمانے میں تو رفارمر ہونے کے لیے صرف یورپ کی تقلید کافی ہے۔''

شبلی کو نئے تعلیم یافتہ گروہ سے بھی خاصی شکایتیں تھیں۔ وہ اپنے مقالات اور مکاتیب میں اپنے عصر اور جدید تعلیم یافتہ گروہ کی ذہنی پس ماندگی اور اس کے سرمایۂ افتخار پر اکثر چوٹ کرتے ہیں۔ یہی نہیں انھیں علمائے کرام سے بھی ریاکاری، کم ہمتی، فرقہ بازی، باہمی چپقلش اور تنگ نظری کی شکایت ہے۔ اپنے عصر پر لکھتے ہوئے ان کا طنز برہنہ ہو جاتا ہے اور اس میں تضحیک کا پہلو صاف نظر آتا ہے لیکن ماضی کا تذکرہ کرتے وقت ان کا طنز عموماً بڑا پر لطف ہوتا ہے اور اس کی ادبی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ نمونے کے طور پر چند طنز کی تند وتیز دھار میں بجھے ہوئے چند جملے ملاحظہ کیجیے:

۱۔ میں نے اس آرٹیکل میں قصداً پرہیز کیا ہے کہ سلف کے کارنامے زیادہ آب وتاب سے لکھوں۔ قوم کی آج یہ حالت ہے کہ جتنا لکھا گیا ہے یہ بھی اس کے چہرے پر نہیں کھلتا۔

۲۔ ہماری زبان میں ناول اور افسانے ہوتے ہیں اور جدید گروہ کا کل سرمایہ افتخار یہی ہے۔

۳۔ نئے تعلیم یافتہ بالکل مرعوب ہو گئے ہیں۔ قدیم علما عزلت کے دریچے سے کبھی سر نکال کر دیکھتے ہیں تو مذہب کا افق غبار آلود نظر آتا ہے۔

۴۔ بعینہ اسی طرح جس طرح آج کل ک مقدس واعظوں کو اگر کہا جائے کہ وہ با قاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دیں تو ان کو ناگوار ہوگا۔ لیکن نذر نیاز کے نام سے جو رقمیں موصول...

۵۔ نظامی اور جامی جیسے لوگ اس حمام میں آ کر ننگے ہو جاتے ہیں لیکن فردوسی باوجود اس کے کہ اس کو تقدس کا دعویٰ نہیں... آنکھ نیچے کیے ہوئے آتا ہے۔

۶۔ انھی بوڑھے غمزوں میں کبھی کبھی شوخ جملے بھی زبان سے نکلے جاتے ہیں۔ (نظامی کے متعلق بیان)

اس گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ شبلی کی تحریروں میں طنزیات کا حصہ اس قدر پایا جاتا ہے کہ طنز و تعریض کو ان کے اسلوب کا ناگزیر حصہ قرار دیا جائے۔

فلسفہ اور تاریخ میں شبلی کا اسلوب نگارش

مولانا شبلی کو فلسفہ اور معقولات سے گہری دلچسپی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ذہنی اور فکری تربیت مذہبی مدارس میں ہوئی تھی۔ انھوں نے مولانا محمد فاروق سے معقولات کی تعلیم حاصل کی تھی۔ فسلفے اور معقولات سے شبلی کی دلچسپی کا اندازہ علم الکلام پر لکھی گئی ان کی کتابوں اور علم الکلام کے متعلقات پر ان کی تحریروں سے بخوبی ہوتا ہے۔ شبلی نے فلسفہ اور معقولات سے متعلق تحریروں میں وجدان اور جمالیاتی قدروں سے زیادہ تشریح و توضیح کا صاف و صریح انداز، طرز استدلال، منطقی بیان اور معروضی نقطۂ نظر کو مرکزیت دی ہے۔ ان کتابوں میں وہ تخئیل، جوش، ہیجان اور جذباتی اشتعال انگیزی سے بھی کم کام لیتے ہیں۔ البتہ جب وہ تاریخ، سیرت اور سوانح کے موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کے اندرون کا شاعر اور شاعرانہ میلانات کھل کر آ جاتے ہیں۔ نتیجتاً ان کا ایک اور اسلوب ابھرتا ہے جو استدلالی انداز، معروضی نقطۂ نظر، تشریح و توضیح کے ساتھ ساتھ اپنے جلو میں وجدان، تخئیل اور جمالیاتی اقدار اور شاعرانہ میلانات بھی لیے ہوئے ہے۔

ہمیں یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ شبلی کوئی سکہ بند ٹکسالی مورخ نہیں تھے۔ تاریخ، سیرت اور سوانح کے موضوع پر وہ محض علما سے مناظرانہ بازی نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی صرف علما ان کے مخاطب تھے۔ بلکہ ان کی یہ تحریریں علما سے زیادہ عام حرف شناس افراد کے لیے تھیں۔ اس لیے انھوں نے اسلوب بھی ایسا اختیار کیا جس سے قاری کو نہ صرف موضوع سے دلچسپی ہوئی بلکہ جذباتی طور پر وہ موضوع سے وابستہ بھی ہو گیا۔ وہ تاریخ کے ذریعے قوم میں جوش اور جذبہ پیدا کرنا چاہتے تھے، مجرد تاریخ نہیں لکھنا چاہتے تھے۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شبلی تاریخ میں درج

واقعات واشخاص اور عہد کی خاکہ نگاری کر رہے تھے۔ ان موضوعات پر جوش اور عقیدت کا جو دریا شبلی کے دل میں موجزن تھا، وہ چاہتے تھے کہ قاری یا قوم کے دل میں بھی جذبات کا وہی دریا اُمڈے۔ بلاشبہ وہ سادہ واقعہ نگاری نہیں کرتے ہیں لیکن وہ واقعے کی صحت اور جزئیات سے بھی سمجھوتہ نہیں کرتے اور نہ ہی جرح وتعدیل کے اصولوں سے کوئی مفاہمت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر 'سیرۃ النبی' کا درج ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

> ''لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شان عجم، شوکت روم، اوج چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتش کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شر، آتش کدۂ کفر، آذر کدۂ گمراہی سرد ہو کر رہے گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا۔ نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔ توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستان سعادت میں بہار آگئی۔ آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں۔ اخلاق انسانی کا آئینۂ پر تو قدس سے چمک اٹھا یعنی یتیم عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہ حرم، حکمران عرب، فرماں روائے عالم شہنشاہ کونین ...عالم قدس سے عالم امکان میں تشریف فرمائے عزت واجلال ہوا۔''

درج بالا اقتباس زور بیان اور شدت جذبات سے معمور ہے لیکن اس سے بیان واقعہ کی سچائی پر کوئی حرف نہیں آیا بلکہ صحیح صورت حال کی درست عکاسی ہوئی ہے۔ اپنے ہیرو کے لیے عوام کے دل میں جس طرح کی محبت، عقیدت اور احترام کا ولولہ ہونا چاہیے وہ پوری عبارت میں موجزن ہے۔

12.3.2 ماحصل

شبلی کے نثری اسلوب نگارش میں ہم نے پایا کہ موقع محل اور نفس معنی کے اعتبار سے ان کے ہاں اسلوب کی سطح پر تنوع پایا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر ان کے یہاں دو طرح کا اسلوب پایا جاتا ہے۔ ایک اسلوب تو وہ ہے جو ان کی علمی، فلسفیانہ اور معقولات سے متعلق تحریروں میں پایا جاتا ہے۔ اس اسلوب کی تعمیر وتشکیل میں منطقیت، استدلال اور معروضیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دوسرا اسلوب وہ ہے جو ادب اور تنقید سے متعلق تحریروں میں پایا جاتا ہے جس کی تشکیل میں وجدان اور جمالیاتی احساس مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ شبلی کی متذکرہ بالا دونوں طرح کی تحریروں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی موقع محل کی مناسبت سے جہاں تعقل کوشی اور معروضیت کی ضرورت ہوتی ہے وہاں استدلال اور منطقیت سے بیشتر کام لیتے ہیں اور جہاں جذبہ وخیال کو برانگیخت کرنا ہوتا ہے وہاں موقع کی مناسبت سے مخصوص فضا سازی کے لیے شعری اور جمالیاتی قدریں اپنا جلوہ دکھاتی ہیں۔ گویا یہ کہا جاسکتا ہے کہ شبلی کا اسلوب نگارش منطق، استدلال، معروضیت، وجدان اور جمالیات کی دلکش آمیزش اور ہم آہنگی سے عبارت ہے۔ اس اسلوب میں جوش، ولولہ انگیزی، ایجاز واختصار، سادگی، قوت،

لطیف احساس، حسن و تاثیر سبھی کچھ موجود ہے۔ یہی وہ اسلوب ہے جو دنیائے ادب میں شبلی کی بقائے دوام کا ضامن ہے۔

12.4 آپ نے کیا سیکھا

1۔ شبلی نعمانی کے نثری اسلوب کی نمایاں خصوصیات سے واقف ہوئے۔

2۔ معاصر ادیبوں میں شبلی کے نثری اسلوب کے امتیازات کو پہچاننے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔

3۔ شبلی کے اسلوب نثر میں شعریت اور تخیل کی کارفرمائی کی اہمیت اور معنویت سے آگاہ ہوئے۔

4۔ موضوع کے اعتبار سے شبلی نعمانی کے اسلوب نثر میں تنوع اور اس کی نوعیت سے واقف ہوئے۔

5۔ شبلی کا نثری اسلوب منطقی طرز استدلال، معروضیت، جمالیاتی اقدار اور وجدان کا خوبصورت امتزاج ہے۔

12.5 اپنا امتحان خود لیجیے

1۔ شبلی کے نثری اسلوب نگارش کے اساسی عناصر کیا ہیں؟

2۔ شبلی کے چند مرغوب الفاظ لکھ کر ان کی معنویت پر اظہار خیال کیجیے۔

3۔ شبلی کی نثر میں تخیل کی اڑان معلومات اور حقائق کے ابلاغ کی راہ مسدود نہیں کرتی۔ اس خیال سے بحث کیجیے۔

4۔ شبلی کی نثر سے ہم آواز الفاظ اور حروف کے استعمال کی چند مثالیں پیش کیجیے۔

5۔ شبلی کے اسلوب میں شاعرانہ فضا کے اہتمام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟

12.6 سوالوں کے جوابات

1۔ علامہ شبلی نعمانی نے بیک وقت علمی اور ادبی دونوں ہی موضوعات پر لکھا ہے۔ شبلی کی مذہبی یا علمی تحریروں کی بنیاد عقلی، استدلالی اور سائنسی ہوتی ہے جبکہ شعر و ادب سے متعلق تحریروں میں وجدان اور تخئیل کی اہمیت ہے۔ شبلی نے خالص انشا پردازی سے لیس نثری اسلوب سے گریز کیا اور اپنی علمی نثر میں غیر جذباتی، منطقی اور استدلالی طرز بیان کو اپنایا۔ شبلی کا اسلوب استدلال، منطقیت اور علمیت کے ساتھ ساتھ احساس جمال کا دلکش آمیزہ ہے۔ شبلی لفظوں کے انتخاب میں بڑی کاوش اور تناسب سے کام لیتے ہیں۔ لفظی کفایت شعاری شبلی کے اسلوب نثر کا نمایاں وصف ہے۔ اس وصف کی وجہ سے ان کی تحریر میں ایجاز

واختصار کی خوبی پیدا ہوتی ہے۔

2۔ شبلی کے چند مرغوب الفاظ جنھیں ہم ان کا تکیۂ کلام کہہ سکتے ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

فخر، ناز، مفاخر، شباب، مستی، نشہ، شراب، انجمن، بہار رنگ، داستان، راز، طلسم، نکتہ شناس، روح، جوہر اور جان وغیرہ۔

اور دو طرح کے الفاظ درج ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن سے فخر و مباہات کا احساس ہوتا ہے اور دوسرے وہ جو کیف و سرور، لطافت اور سرمستی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اصل میں شبلی کی تحریریں مقصدیت وافادیت کے تحت وجود میں آئیں۔ وہ علم و ادب کے میدان میں اس مقصد سے اترے تھے کہ قوم کو مثالی انسانوں اور ان کے عظیم الشان کارناموں سے متعارف کرائیں۔ اس کی افادیت یہ تھی کہ قوم احساس کمتری کے قعر مذلت سے نکلے گی اور اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہوگا۔ لہٰذا ایسا انداز بیان اپنانا ناگزیر تھا جو منطقی، سائنسی اور استدلالی طرز بیان کے ساتھ ساتھ فخریہ جذبات کو بھی ابھارے۔ اسی طرح اپنے قاری کو کیف و سرور سے سرشار کرنے کے لیے وہ شباب و مستی اور بزم کے تلازمات بھی کثرت سے استعمال کرتے ہیں جس سے ان کی نثر میں دلکشی اور رعنائی بھی پیدا ہوتی ہے۔

3۔ تخیل کی پرواز مبالغہ کو راہ دیتی ہے اور مبالغہ تشبیہ واستعارہ اور رمز و کنایہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے وضاحت، صراحت اور قطعیت موجود ہوں تب بھی حقائق کی درست معلومات ضرور مجروح ہوں گی۔ یہ بات درست ہے کہ شبلی کے تخیل میں تیزی اور تندی کی وجہ سے افراط و تفریط کی صورت پیدا ہوجاتی ہے لیکن اس کے باوجود نہ تو وضاحت، صراحت اور قطعیت پر کوئی آنچ آتی ہے اور نہ ہی درست معلومات اور حقائق کا ابلاغ مجروح ہوتا ہے۔ شبلی کے تندی تخیل کے زائیدہ بیانات مبالغہ آمیز ضرور ہوتے ہیں لیکن ان بیانات پر غور کیا جائے تو محسوس ہوگا کہ ایسے بیانات حقائق کی درست اور حقیقی صورت حال کا ادراک کرانے کے لیے محاکات کا کام کرتے ہیں۔ گویا ایسے بیانات کے ذریعے شبلی کلام کو مقتضائے حال کے موافق کردیتے ہیں۔ لہٰذا اس سے درست حقائق کے ابلاغ پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

4۔ شبلی کی نثر سے ہم آواز الفاظ اور حروف کے استعمال کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ ترک شجاع تھے شجاع تر ہوگئے۔

۲۔ ایرانی تہذیب میں ممتاز تھے، ممتاز تر ہوگئے۔

۳۔ اس زمانہ میں تا تار کی بادصرصر نے امن وامان کا شیرازہ ابتر کر دیا۔

۴۔ رؤساوامرا کے دربار میں علماوفضلا کا مجمع ہوتا تھا۔

۵۔ شہر کا شہر مشایعت کو نکلتا تھا۔

5۔ شبلی اپنے قاری کو خشک موضوعات کی کوفت سے نجات دلانے کے لیے اپنی نثر میں شاعرانہ فضا کا التزام کرتے تھے۔ شاعرانہ فضا سے محض شعری وسائل اظہار مراد نہیں بلکہ استعارہ، کنایہ اور دلکش لفظی تراکیب کے علاوہ موقع و محل کی مناسبت سے اشعار کا اہتمام ہے۔ شبلی نے اپنی کتابوں مثلاً الغزالی، علم الکلام، شعرالعجم اور موازنۂ انیس و دبیر وغیرہ کا آغاز موضوع کی مناسبت سے اشعار درج کر کے کیا ہے۔ فارسی کے برمحل اشعار سے وہ خاص قسم کی فضا آفرینی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اشعار کے ذریعے ان کی نثر میں اطناب و اختصار اور ایجاز و جامعیت کا حسن بھی پیدا ہوتا ہے۔ عام طور پر وہ فخریہ اور طنزیہ موقعوں پر اشعار کا اندراج بڑی چابکدستی سے کرتے ہیں۔ نتیجتاً ان کی نثر میں مخصوص فضا سازی کے علاوہ ایمائیت اور اشاریت کا حسن بھی پیدا ہوتا ہے۔

12.7 فرہنگ

الفاظ		معنی
نگارش	:	تحریر، لکھا ہوا
تعقل کوشی	:	عقل سے کام لینا یا کرنا
معروضیت	:	حقیقت، واقعیت
زمزمہ سنجی	:	نغمہ سرائی، زمزمہ پردازی
متخیلہ	:	خیال کرنے کی صلاحیت یا قوت
معدوم	:	غائب
مہلک	:	ہلاک کرنے والا، مار ڈالنے والا
تضحیک	:	تذلیل، ہنسی اڑانا، مضحکہ
چرخِ نادرہ کار	:	منفرد اور عجیب کام کرنے والا آسمان
پیرِ کہن سال دہر	:	آسمان مراد ہے

12.8 کتب برائے مطالعہ

1۔ سید عبداللہ، وجہی سے عبدالحق تک

2۔ ہاشمی، نورالحسن، ادب کیا ہے

3۔ انجم، خلیق، شبلی کی علمی وادبی خدمات

4۔ صدیقی، ظفر احمد، شبلی کی علمی وادبی خدمات

5۔ نیازی، ڈاکٹر ارشاد، تفہیم شبلی

ignou
THE PEOPLE'S
UNIVERSITY